سورہ روم | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ | ایت نمبر (۳۱-۳۲)

وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ○ مِنَ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا ؕ کُلُّ حِزۡبٍۭ بِمَا لَدَیۡہِمۡ فَرِحُوۡنَ ○

ترجمہ: اور نہ ہو جانا تم مشرکوں میں سے یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے پھوٹ ڈال دی اپنے دین میں اور بٹ گئے فرقوں میں۔ ہر فرقہ اس (طریقے) پر جو ان کے پاس ہے مگن ہے۔

خطبہ

جمعۃ المبارک

[9ربیع الثانی1431ھ بمطابق 26مارچ 2010]

عنوان

ہم ایک ہیں

سیرت رسولؐ کا پیغام امت واحدہ کے نام

زیر اہتمام: شعبہ دینی امور جوہری ٹرسٹ (جامع مسجد محمدی نئی آبادی اٹاری سروبہ لاہور)

نوٹ: ہم وضاحت کے ساتھ یہ بات آپ کے علم میں لانا چاہتے ہیں کہ الحمدللہ ہمارا کسی فرقہ کسی مسلک کسی سیاسی گروہ یا جماعت سے کوئی تعلق نہیں ہے ہمارا عزم ہے کہ ہم نے اپنے معاشرے سے انتشار اور افتراق (صوبائیت لسانیت فرقہ واریت) کو ختم کرنا ہے اور بہترین معاشرہ بنانا ہے اس کیلیے ہم نے ایک حقیری کوشش شروع کی ہے اس ادنی سی کوشش کو آپ تک پہنچانے کیلیے خطبات کا سلسلہ ایک کڑی ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ ہماری اس کاوش کو سراہیں گے اور آپ کو ہم اپنے شانہ بشانہ پائیں گے۔ اللہ پاک ہمیں استقامت دے اور معاشرتی بہتری کیلیے زیادہ سے زیادہ کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین

بتعاون: محترم جاوید اختر جوہری صاحب صدر جوہری ٹرسٹ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ○

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ○ (۳/۱۰۳)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

آج کے خطبے کا عنوان ہے ہم ایک ہیں اس کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی ہے کہ آج امتِ محمدیہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہے آیا یہ فرقہ بندی اسلام اور مسلمانوں کیلئے مفید ہے یا باعثِ نقصان، آیئے جائزہ لیں اس مسئلہ پر قرآن کیا کہتا ہے جو آیت مبارکہ خطبہ کے آغاز میں پڑھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

اور مضبوطی سے تھام لو تم اللہ کی رسی کو سب مل کر اور فرقہ بندی نہ کرو اور یاد کرو احسان اللہ کا جو اس نے تم پر کیا کہ تھے تم (آپس میں) دشمن پھر الفت پیدا کر دی اس نے تمہارے دلوں میں سو ہو گئے تم اللہ کے فضل و کرم سے بھائی بھائی اور تھے تم (کھڑے) کنارے پر آگ سے بھرے گڑھے کے سو بچا لیا اللہ نے تم کو اس سے اس طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیات تاکہ تم رہنمائی حاصل کرو۔

وَاعْتَصِمُوْا میں جمع کے صیغے (تم سب) اور جَمِیْعًا کی تخصیص سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ دین۔ خدا اور بندے کے درمیان انفرادی تعلق کا نام نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھے، اپنے اپنے انداز سے ''گیان دھیان'' کے ذریعے خدا سے لو لگا لے اور اس طرح اپنی نجات کا سامان پیدا کر لے۔ دین اجتماعی نظام زندگی کا نام ہے۔ جس میں تمام افراد ایک نا قابل تقسیم وحدت کے حیثیت سے رہتے اور ایک طریق پر چلتے ہیں۔ ان کی وجہ جامعیت بھی دین کا اشتراق ہے۔ اسی سے یہ سب ایک امت بنتے ہیں۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا ------

جَمِیْعًا نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے کہ اس دین کے مطابق زندگی اسی صورت میں بسر ہو سکتی ہے جب پوری کی پوری امت ایک ہی طریق پر چل رہی ہو۔ اگر اس میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقہ نے ایک جداگانہ طریق کی پیروی اختیار کر لی، تو یہ دین باقی نہیں رہ سکتا لَا تَفَرَّقُوْا کے حکم نے اس حقیقت کو اور بھی نمایاں کر دیا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا میں امر (حکم) تھا۔ یعنی یہ کرو اور لَا تَفَرَّقُوْا میں نہیں ہے (کہ یوں نہ کرو) اور یہ ظاہر ہے کہ جس بات کو امر اور نہی۔ مثبت اور منفی کی حدوں میں گھیر کر بیان کیا جائے اس میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے نہ مزید تاکید اور تائید کی ضرورت وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ایک جامع اصول زندگی ہے۔ جس میں کسی اختلاف یا استثناء کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

یہ کوئی نیا اصول نہیں:

قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کوئی نیا اصول زندگی نہیں جو تمہیں پہلی بار دیا جا رہا ہے۔ یہی اصول ہے جو پہلے دن سے آج تک ہر نبی کی وساطت سے دیا جاتا رہا ہے شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اللہ نے اسی دین (نظام زندگی) کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا۔ وہی دین اب تمہاری طرف وحی کیا جاتا ہے اسی کا حکم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا ہے

یہ حکم کیا تھا؟ یہی کہ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ تم سب اسی دین کو قائم کرنا اور اس میں کسی قسم کا تفرقہ نہ پیدا کرنا۔ یہی وہ دین کی وحدت اور تفرقہ سے اجتناب تھا جس سے تمام انبیاء کرام (زمان اور مکان کے اس قدر بعد اور اختلاف کے باوجود) ایک امتِ وحدہ بن گئے تھے اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ اے گروہ انبیاء! یہ تمہاری جماعت امتِ وحدہ ہے تمہاری وجہ جامعیت یہ ہے کہ میں تم سب کا نشو و نما دینے والا ہوں۔ لہٰذا تم صرف میرے قوانین کی نگہداشت کرنا۔

امتِ واحدہ:

یہاں اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ امت کی وحدت، ضابطہ زندگی اور قانون حیات کی وحدت پر مبنی ہوتی ہے۔ جب تک دین ایک رہے گا، امت بھی ایک رہے گی۔ یا جب تک امت ایک رہے گی، اس کا دین بھی ایک ہوگا۔ جب امت میں تفرقہ پڑ جائے گا تو دین بھی ایک نہیں رہے گا، الگ الگ ہو جائے گا۔ اور چونکہ دین ایک نا قابل تقسیم وحدت

ہے اس لئے الگ الگ "دین" کے معنی یہ ہیں کہ اصل دین کہیں باقی نہیں رہا۔

کسی امت یا قوم میں تفرقہ پیدا کر دینا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایئے جسے خدا نے سورہ طٰہٰ میں بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ کچھ دنوں کیلئے باہر تشریف لے جاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو حضرت ہارونؑ کی زیرِ نگرانی چھوڑ جاتے ہیں۔ جب آپ واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قوم نے گئو سالہ پرستی اختیار کر رکھی ہے۔ اس کا جو اثر حضرت موسیٰؑ کی طبیعت پر ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے۔ وہ غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے پوچھتے ہیں کہ مَامَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں، تو وہ کونسی بات تھی جس کی وجہ سے تم نے انہیں (اس روش سے) روکا نہیں؟ اب سنئے کہ حضرت ہارونؑ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ہارونؑ بھی خدا کے رسول ہیں وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ مجھے یہ اندیشہ گزرا کہ تو آ کر یہ نہ کہہ دے کہ اے ہارون تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے فیصلے کا بھی انتظار نہ کیا۔

شرک سے بھی بڑھ کر:

سامعین محترم! آپ نے سوچا کہ یہ بات کیا ہوئی؟ حضرت ہارون نے کہا کہ اگر یہ لوگ جہالت کی وجہ سے کچھ وقت کیلئے مورتی کی پوجا کرنے لگ گئے تھے تو میرے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم نہیں تھا جتنا بڑا جرم ان میں تفرقہ پیدا کر دینا تھا۔ یہ جواب ایک نبی کی طرف سے دیا جاتا ہے اور دوسرا نبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے جیسا کہ ذرا آگے چل کر بتایا جائے گا۔ قرآن نے خود فرقہ بندی (تفرقہ) کو شرک قرار دیا ہے اب ظاہر ہے کہ گئو سالہ پرستی بھی شرک تھا اور تفرقہ انگیزی بھی شرک لیکن تفرقہ انگیزی کا شرک ایسا شدید اور سنگین تھا کہ اس سے بچنے کیلئے عارضی طور پر گئو سالہ پرستی کے جرم کا ازالہ توبہ سے ہو گیا فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ لیکن جب انہوں نے باہمی تفرقہ پیدا کر لیا اور اس طرح امتِ واحدہ کی بجائے مختلف گروہوں اور پارٹیوں میں بٹ گئے وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا تو ان پر تباہی اور بربادی، ذلت و خواری، محرومی و محتاجی کا ایسا عذاب مسلط ہو گیا جو ہر جگہ سائے کی طرح ان کے پیچھے لگا رہتا تھا ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر رسول کا پیغام یہ تھا کہ "دین کو قائم کرو اور باہمی تفرقہ مت پیدا کرو" ہر رسول اس پیغام کے ذریعے ایک جماعت ایک امت متشکل کر کے جاتا۔ اس کی امت کچھ وقت تک تو متحد رہتی لیکن اس کے بعد اس میں گروہ بندیاں اور فرقہ سازیاں شروع ہو جاتیں۔ یہ کیوں ہوتا۔

قرآن اس کی وجہ بتاتا ہے کہ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ یعنی خدا کی طرف سے العلم (وحی) آ جانے کے بعد، جس کا مقصد تمام اختلاف کو مٹا دینا ہے، باہمی تفرقہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن اس وحی کے وارث، باہمی ضد اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے کے جذبہ کی وجہ سے مختلف فرقے بنا لیتے ہیں۔

یعنی اس گروہ بندی اور فرقہ سازی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں دین کی کسی حقیقت کے سمجھنے میں غلطی لگ جاتی تھی۔ کوئی شق مشتبہ اور مبہم رہ جاتی تھی۔ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے علم میں اشتباہ و ابہام کا کیا کام؟ یہ فرقہ سازی محض ہوس اقتداری کی تسکین کیلئے ہوتی تھی۔ ان میں سے جن لوگوں کے دل میں لیڈر بننے کا شوق چراتا وہ اپنا فرقہ الگ بنا لیتا، پھر ہر فرقہ دوسرے فرقے سے آگے نکل جانا اور اس پر غالب آ جانا چاہتا۔ اس سے باہمی کش مکش اور سر پھٹول شروع ہو جاتی اور اس امت واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور اس کے ساتھ ہی دین بھی اس تشتت و افتراق کے پردوں میں گم ہو جاتا۔ اس سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آ گئی کہ فرقہ بندی علم و بصیرت اور دلائل و براہین کی بناء پر وجود میں نہیں آتی۔ اس کی بنیاد جذبات پر ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ اپنے فرقہ کے برسرِ حق ہونے کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں اور وہ کونسا جذباتی فیصلہ ہے جس کی تائید میں عقل فسوں ساز دلائل مہیا نہیں کرتی؟

نزولِ قرآن کا مقصد:

نزول قرآن کے وقت دنیائے مذاہب کی یہی کیفیت تھی۔ (واضح رہے کہ دین تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن جب فرقہ بندی میں اس کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تو انہیں مذاہب کہا جاتا ہے) قرآن نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کو مٹا کر، خدا کا دین قائم کرے گا اور فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک امت واحدہ میں تبدیل کر دے گا وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (اے رسول) تجھ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل کی گئی ہے کہ جن امور میں یہ لوگ باہمی اختلاف کرتے ہیں، تو ان کی وضاحت کر دے، اس کے بعد جو لوگ اس دین واحد کی صداقت کو تسلیم کر لیں گے، یہ کتاب انہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرے گی اور اس طرح ان کیلئے موجب رحمت بن جائے گی وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ یعنی تبیانِ حقیقت تو تمام انسانوں کیلئے یکساں ہو گی لیکن ہدایت اور رحمت صرف انہیں کیلئے

ہوگی جو اس صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔

اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ قرآن کا مقصد اولیں اختلاف کو مٹا کر دین کی وحدت کا قیام ہے اور اختلاف کا مٹ جانا خدا کی رحمت ہے اسی نقطہ کی وضاحت دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کی گئی ہے وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً اگر یہ مقصود ہوتا کہ تمام انسانوں کو مجبور کر کے ایک راستے پر چلایا جائے تو خدا کیلئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ اس نے جس طرح دیگر حیوانات کو اس انداز سے پیدا کیا ہے کہ ہر نوع کا فرد اپنی نوع اور جماعت کے ساتھ رہتا ہے۔ اس سے کبھی اختلاف نہیں کرتا ہے (مثلاً تمام بھیڑیں ایک نہج سے زندگی گذارتی ہیں اور تمام شیر ایک ہی راستے پر چلتے ہیں)۔

علیٰ وجہ البصیرت:

اسی طرح وہ انسانوں کو بھی جبلی طور پر ایک ہی راستے پر چلنے پر مجبور کر دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے انسانوں کو فکر و عمل کی آزادی دے رکھی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چاہیں تو اتحاد اور اتفاق کی زندگی بسر کریں اور چاہیں تشت و افتراق پیدا کر لیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں بتا دیا گیا ہے کہ تشت و افتراق کی زندگی عذاب کی زندگی ہے اور ایک امت بن کر رہنے کی زندگی رحمت اور سعادت کی زندگی۔ لیکن یہ وحدت اسی صورت میں حاصل ہو سکتی اور قائم رہ سکتی ہے کہ تم اپنے دل کی رضامندی سے اور علیٰ وجہ البصیرت خدا کی کتاب کو اپنا ضابطہ حیات بنالو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم نے زندگی کے مقصد کو پا لیا۔ جو میں نے آیت پڑھی ہے اس کا اگلا حصہ ہے وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ان لوگوں کے سوا جو وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے خدا کی رحمت کے سزاوار بن جائیں باقی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے حالانکہ انہیں پیدا اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ (اپنی رضا و رغبت سے) امت واحدہ بن کر رہیں وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ

اس آیت سے یہ حقیقت سامنے آگئی ہے کہ

مقصود انسانی تخلیق یہ ہے کہ تمام انسان ایک امت (ایک عالم گیر برادری) بن کر رہیں اور باہمی اختلاف پیدا نہ کریں۔

یہ اختلاف صرف وحی خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے مٹ سکیں گے، یہ زندگی رحمت کی زندگی ہے۔

جو لوگ وحی کے مطابق زندگی بسر نہیں کریں گے ان کے اختلاف مٹ نہیں سکیں گی یہ عذاب کی زندگی ہوگی۔

اختلاف مٹانے کا طریقہ:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن ان اختلافات کو مٹانے کا کیا طریقہ بتاتا ہے؟ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗ اِلَى اللّٰهِ جس معاملہ میں بھی تمہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ (حکم) اللہ کی طرف سے ہونا چاہیے اس میں "حکم" کا لفظ غور طلب ہے۔ یعنی یہ انفرادی چیز نہیں کہ دو آدمیوں میں کسی بھی مسئلہ میں اختلاف ہو اور وہ اپنے طور پر قرآن سے فیصلہ لینے بیٹھ جائیں۔ متنازعہ فیہ امور میں حکم یا فیصلہ، ہمیشہ تیسرے مقام سے ملا کرتا ہے اسے حکم یا ثالث کہتے ہیں اسی مقصد کیلئے قرآن نے رسول اللہؐ سے کہا تھا کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (۴/۶۵)

تیرا رب اس حقیقت میں شاہد ہے کہ یہ کبھی صاحب ایمان نہیں کہلا سکتے جب تک یہ اپنے اختلافی امور میں تجھے اپنا حکم (فیصلہ دینے والا) تسلیم نہ کریں بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

یعنی قرآن سے فیصلہ انفرادی طور پر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کیلئے ایک زندہ اور محسوس ثالث اور حاکم کی ضرورت ہوگی۔ اس فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کو قرآن میں "اللہ اور رسول" کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴/۵۹)

اے جماعت مومنین! تم اللہ اور...... رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جنہیں (اللہ اور رسول کی طرف سے) صاحب اختیار بنایا جائے ان کی اطاعت کرو۔

زندہ مرکز:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۴/۵۹) اگر تم میں کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو (اسے اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ) اسے "اللہ اور رسول ﷺ" کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو سمجھا جائے گا کہ تمہارا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہے" اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ دو افراد میں اختلاف تو ایک طرف، اگر افسران ماتحت کے کسی فیصلہ سے بھی اختلاف ہو تو اسے قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی (اللہ اور رسول ﷺ) کی طرف لوٹا دو۔ یہی شرط

ایمان ہے اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو یہ کفر ہو جائے گا۔

محترم سامعین کرام:

میں پہلے عرض کر چکا ہو کہ قرآن نے تفرقہ اور اختلاف کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اس کفر سے محفوظ رہنے کی عملی شکل یہ بتائی گئی ہے کہ امت کے پاس قرآن اور قرآن کی روشنی میں فیصلہ دینے والا رسول۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ہے وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ (۳/۱۰۱)

تم کس طرح کفر میں مبتلا ہو سکتے ہو؟ جب کہ حالت یہ ہے کہ (۱) تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے (۲) اس کے ساتھ تم میں اس کا رسولؐ موجود ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک امت میں (۱) قرآن اور (۲) رسولؐ موجود ہو، فرقے پیدا نہیں ہو سکتے۔

اس سے ہمارے سامنے ایک اور سوال آ گیا۔ اور وہ یہ کہ قرآن کی ان کی آیات سے تو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی موجودگی (یعنی زندگی) تک امت نے فرقوں سے بچے رہنا تھا۔ لیکن آپ کے بعد فرقوں سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ کیوں کہ فرقوں سے بچنے کے لئے قرآن اور رسولؐ دونوں کی موجودگی کی ضرورت تھی اور جب ان میں سے ایک جزو (رسولؐ) موجود نہ رہا تو فرقہ بندی سے محفوظ رہنے کا امکان بھی باقی نہ رہا۔

فیکم رسول کے معنی:

قرآن کہتا ہے کہ تم نے بات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ تم اس خیال میں ہو کہ رسول کی موجودگی'' سے مراد یہ ہے کہ جب تک محمد رسول اللہ تم میں زندہ موجود ہیں اس وقت تک یہ شکل باقی رہے گی۔ جب وہ وصال فرما جائیں گے تو پھر ''رسول'' موجود نہیں رہیں گے۔ یہ بات غلط ہے۔ یہ سلسلہ رسول کی طبعی زندگی سے مشروط نہیں۔ اس کے بعد بھی قائم رہے گا۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں یہ کہہ کر اس کی صراحت کر دی گئی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (۳/۱۴۴) محمد بجز این نیست کہ اللہ کا رسول ہے اس سے پہلے بہت سے رسول (اپنا فریضہ پیغام رسانی ادا کرنے کے بعد) دنیا سے چلے گئے۔ سو اگر (کل کو) یہ وصال فرما گئے تو کیا تم یہ سمجھ کر کہ یہ نظام اس کی زندگی تک محدود تھا پھر اپنی سابقہ روش کی طرف لوٹ جاؤ گے؟ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا (۳/۱۴۴) جو (رسولؐ کے وصال پر) اپنی سابقہ روش پر لوٹ جائے گا تو وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچائیگا۔،، (اپنا ہی کچھ بگاڑے گا) اس سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُ سے مراد رسول اللہ کی طبعی زندگی نہیں۔ آپ کے وصال کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور باقی رہ سکتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد:

جب رسول اللہؐ وصال فرما گئے تو امت میں کہرام مچ گیا۔ ایسا ہونا فطری امر تھا۔ شدت جذبات میں بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جس نظام کو رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمایا تھا، اب وہ ختم ہو گیا۔ اس کے لئے وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ کی شرط تھی۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے حضرت ابوبکر صدیقؓ برسر منبر تشریف لائے اور وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ کا قرآنی مفہوم اس انداز سے سمجھا دیا کہ اس سے بہتر انداز کوئی ہو نہیں سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یا یھاالناس من کان منکم یعبد محمد ا فا نہ قد مات ومن کان یعبد اللہ فانہ حی لا یموت 'اے لوگو! جو تم میں سے محمدؐ کی محکومیت اختیار کئے تھا۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا معبود وفات پا گیا ہے لیکن جو خدا کی محکومیت اختیار کئے تھا اس کا معبود زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا'' اس کے بعد آپ نے آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ اس سے حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی۔ حاضرین سمجھ گئے کہ رسول اللہؐ کے وصال کے بعد یہ نظام کس طرح قائم رہے گا۔ چنانچہ وہ اٹھے اور انہوں نے فوراً الخلیفۃ الرسول (یعنی رسول اللہؐ کے جانشین) کا انتخاب کیا اور اس طرح رسول اللہؐ کے وصال سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پر کر لیا۔ اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ کسی کے جانشین کی موجودگی خود اس کی اپنی موجودگی ہوتی ہے۔ اس طرح امت میں ''قرآن اور رسولؐ'' بدستور موجود رہے۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

جب ہم صحیح مسلمان تھے کسی گروہ یا فرقہ میں تقسیم نہ تھے تب قرطبہ پر مسلمان حکمران تھے خلافتِ عثمانیہ بھی مسلمانوں کی پہچان تھی تعلیمی درس گاہیں بھی مسلمانوں کی تھی سائنسدان بھی مسلمان تھے دنیا میں ہر نئی چیز مسلمان متعارف کرواتے تھے جب سے ہم نے صوبائیت، لسانیت کو اپنایا اور فرقہ بندی کو اپنی پہچان بنایا تب سے ہم ہر شعبہ میں زوال کا شکار ہیں پستی اور ذلت مسلمانوں کا مقدر بنتی جا رہی ہے آیئے ہم پھر سے صحیح مسلمان بن جائیں اپنی پہچان بطور مسلمان کروائیں تا کہ اللہ کی رحمتوں کا نزول ہو گم شدہ علمی میراث واپس مل جائے اور عظمتِ رفتہ بحال ہو جائے اور پھر شان سے زندگی گزارنے لگ جائیں جیسے مدینہ منورہ کی پہلی اسلامی ریاست میں صحابہ شان سے زندگی گزارتے تھے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے امین